اُردو زبان کا فروغ: ماضی حال اور مستقبل

ڈاکٹر محمد آصف اعوان، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

In this article, it is discussed that urdu as a language has a continuous progress process in past and present. It is very obvious that urdu langauge will grow in future as one of main globle language.

آج اُردو کو دُنیا کی تیسری بڑی زبان کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ اس زبان کی تاریخ اپنے سیاق ،صورت واقعہ اور سباقی تناظر کے حوالے سے خاص دلچسپی کی حامل اور قابل مطالعہ ہے۔ اس زبان کو صحیح معنوں میں کبھی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں رہی مگر مختلف اقوام کے باہمی ادغام، سماجی تعاملات اور نظریہ ضرورت کے تحت یہ زبان اس قدر تیزی سے نشو و ارتقا کے مراحل سے گزری کہ مقتدر اور سرکاری زبانوں کی جگہ لینے کے لیے اپنا استحقاق جتلانے لگی تاہم عالم گیریت کے لسانی جبر اور دیگر عوامل کی وجہ سے اسے یہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

آج اُردو زبان کو عالم گیریت کے تحت فروغ پانے والے یک زبانی کلچر سے شدید مشکلات کا سامنا ہے اور اس کے مستقبل پر ماہرین لسانیات کئی شدید نوعیت کے سوالات اُٹھا رہے ہیں۔ اس مضمون میں انھیں اُمور پر بحث کی گئی ہے۔ کوئی بھی زبان ایک نامیاتی وجود کی طرح پھلتی پھولتی اور شباب وشیب کے مراحل سے گزرتی ہوئی لسانی تاریخ میں اپنا وجود منواتی ہے۔ اُردو کے حوالے سے بات کی جائے تو ہندو مسلم تہذیب کی کوکھ سے جنم لینے والی سرزمین پاک و ہند کی یہ نوخیز زبان باہمی امن و آشتی، اتحاد و یگانگت اور خیر سگالی کی فضاؤں میں جنم لیتی، پھلتی پھولتی اور نشو ونما کے مراحل طے کرتی ہوئی آج دُنیا کی ایک بڑی زبان کے طور پر عالمی لسانیاتی قبائل کی اگلی صفوں میں اپنی جگہ بنا چکی ہے۔

اس زبان کی تشکیل اور ترویج و ترقی کے تمام مراحل کسی بھی قسم کی سیاسی مصلحت سے پاک رہتے ہوئے صرف اور صرف مقامی اور نو وارد افراد کے باہمی تعاملات سے سرانجام پائے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس زبان کو صحیح معنوں میں کبھی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں رہی جو قوم بھی یہاں وارد ہوئی اس نے اپنا ہی لسانی سکہ چلانے کی کوشش روا رکھی اور یہ حقیقت ہے کہ یہاں کے قدیم باسیوں یعنی کول، بھیل اور دراوڑ وغیرہ کی زبانیں لسانی انتداب کی ایسی ہی پالیسوں کے باعث آج محض تاریخ کا حافظہ بن چکی ہیں۔

مسلمان فاتحین جب اس خطے میں آئے تو انھوں نے بھی عمومی بالا دست رویّے اور حاکمانہ حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مادری زبان یعنی فارسی کو سرکاری سنگھاسن پر جگہ دی اور یوں ہندوستان کے طول وعرض میں اس کی نشر و اشاعت ہوتی

چلی گئی۔ واضح رہے کہ حاکمانہ ذہنیت کا یہ لسانی رویّہ صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں بلکہ یہ طرزِ عمل قوموں کی مناقشاتی تاریخ کی ایک پختہ روایت ہے۔ اس ضمن میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> ''جب ایک قوم کسی دوسری قوم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مفتوح قوم کی زبان کو مٹا دے اور اس کے لیے وہ طرح طرح کی تدبیریں کرتی ہے کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ اگر زبان زندہ ہے تو قوم بھی زندہ ہے اور اگر زبان مرگئی تو قوم بھی مردہ ہو جائے گی''۔[۱]

ہندوستان میں مقتدر طبقے کی زبان کو ہمیشہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ درباری زبان ہی کو سرکاری زبان کا مقام و مرتبہ ملا۔ مسلمان بادشاہوں نے کبھی اُردو زبان کی طرف توجہ نہ دی اور اُن کی درباری، سرکاری اور دفتری زبان ہمیشہ فارسی ہی رہی۔ کچھ عرصہ کے لیے جب مغل سلطنت میں اضمحلال آیا تو دکنی ریاستوں میں اُردو کو سرکاری سرپرستی ضرور ملی مگر اس کے پس منظری محرکات میں بھی خالص اُردو دوستی سے زیادہ مرکز کی مقتدر زبان یعنی فارسی سے سیاسی نوعیت کے مسابقانہ عناد کے عوامل کارفرما تھے۔ اس دور میں اُردو زبان نے بڑی سرعت سے علمی، سائنسی حوالے سے بلوغت کے مراحل طے کیے اور اسی عہد میں ترسیلِ معنی و مطالب کی ہمہ جہت ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا حیران کن عملی مظاہرہ بھی ہوا۔ پھر نیرنگئ زمانہ سے حالات نے کروٹ بدلی اور عنانِ حکومت ایک بدیسی قوم کے ہاتھ لگی۔ ایک دفعہ پھر وہی لسانی حکمتِ عملی روبہ عمل آئی اور اب کی بار فارسی کی گردن مار کر انگریزی زبان کو سرکاری دربار میں اثر و رسوخ ملا اور یوں اُردو بارِ دگر اپنے جمہوری استحقاق یعنی مقتدرانہ حقوق سے بے نصیب رہی۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ زبان تقدیر کی دھنی بھی ہے کہ اس کا اکھوا جمہوری تعاملات اور عوامی ضروریات کی شاخ صدرس سے پھوٹا تھا اور اس کی نشو نما میں کسی حاکم کی تیز دست پیوند کاری کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ لطف یہ ہے کہ ماہرین لسانیات کے مطابق کسی زبان کی حقیقی تشکیل کا فطری منہاج بھی یہی ہے۔

آج ہم جس عالم گیریت کے عہد میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس عالم گیر ساختیے کے کلیسی کارفرما عوامل میں لسانی عنصر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ موجودہ عالمی انصرام میں فلسفہ صارفیت کی مثال جسم اور روح کے معادل ہے۔ شاطرانِ عہد حاضر صارفیت کی بساط پر مختلف زبانوں کو مہروں کی طرح اُکھاڑ پچھاڑ رہے ہیں۔ ایک عالم گیر لسانی حکمتِ عملی (Linguistic Diplomacy) کے زاویہ فکر سے زبانوں کو کموڈٹی قرار دیا جا رہا ہے۔ آج اگر مختلف علاقائی زبانوں میں ٹی وی چینل یا کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل پر سافٹ ویئر تیار کر دیئے گئے ہیں۔ تو اس کا جذبہ محرکہ لسانی احیاء نہیں بلکہ ان زبانوں کے بولنے والوں کو صارفیت کی لت () میں پختہ تر کرنا ہے۔ اگرچہ زر پرستی کی ایسی سرگرمیوں سے بھی فروغِ زبان کا پہلو نکلتا ہے تاہم ایسے میں در آنے والی آلودگی زیادہ مضرت رساں ہے، عالم گیریت کے تناظر میں یہ نکتہ بھی محلِ نظر رہے کہ قبل ازیں مثال کے طور پر مسلم فاتحین کے دور میں عربی زبان کا دوسری زبانوں میں ادغام و انجذاب ہوا اور وہ بھی اس قدر کہ Europe speaks Erabic جیسی کتب منظرِ عام پر آنے لگیں مگر امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام تر لسانی ادغام باہمی سماجی تعاملات کے سادہ اُصول اور تاریخ روایات کے مطابق تھا۔ جب کہ فی زمانہ یک لسانی کلچر (Uni Lingual Culture) کی پالیسی کے تحت عالمی مقتدر زبان کا دوسری زبانوں میں ادغام انتدابی، صارفی اور سیاسی نوعیت کا ہے اور پھر خود انگریزی زبان جسے عالمی لنگوا فرینکا کی حیثیت دی گئی ہے۔ ایک کموڈٹی بن کر رہ گئی ہے۔ آج اسے کلچرل ادبیت کے بجائے لنگوا فرینکا کے طور پر اہمیت مل رہی ہے لہٰذا وقت کے ساتھ ساتھ

اس کی محض فنکشنل ساخت سے سروکار رکھا جا رہا ہے۔ خیر یہ تو ہونا ہی تھا جیسا کہ مرزا غالب نے فلسفہ صارفیت کے ضمن میں اشارہ کیا ہے:

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر۲۱

اُردو زبان میں انگریزی کے جارحانہ ادغام کے حوالے سے دیکھیں تو Tove Skutnabb Kay کے الفاظ کی رعایت سے انگریزی واقعی قاتل زبان ہے۔ آج یونیسکو کے ''اٹلس آف دا ورلڈ لینگوئجز ان ڈینجر آف ڈس اپیرنگ'' کے مطابق دنیا کی چھ ہزار زبانوں میں سے عالم گیریت کی وجہ سے پانچ ہزار زبانیں ناپید ہونے کو ہیں۔ فی زمانہ اقوام متحدہ کی چھ سرکاری زبانوں (انگریزی، فرانسیسی، جرمن عربی اور ہسپانوی) ہیں مگر فی الواقعہ 97% اُمور میں انگریزی کا راج ہے۔ گلوبلائزیشن کے اُردو زبان پر بھی نہایت گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اگر چہ اپنے بولنے والوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر اسے معدومیت کا کوئی خطرہ نہیں تاہم یہ تعداد اس کو مقتدر یا موثر حیثیت دلانے میں چنداں کارگر ثابت نہیں ہو رہی۔ گویا زبان کی طاقت کا انحصار بولنے والوں کی تعداد پر نہیں ان کی قوت تفوق پر ہے۔ اسی اُصول پر انگریزی چینی پر بالا دستی رکھتی ہے اور ہمارے ملک میں انگری کی مقتدر حیثیت کی مثال اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

عالم گیریت کا دوسرا اثر اُردو کی فنکشنل صورت میں سامنے آرہا ہے۔ یہ محض نظریہ ضرورت کی ساخت ہے جو جمالیاتی اظہاری اقدار کے بجائے عملی کارفرمائی کے لیے معرض وجود میں لائی جا رہی ہے۔ ٹی وی دیکھا تو پٹی چل رہی تھی: ایک میزبان کہہ رہا تھا کہ پورے ایریے میں محلّہ وائز کمیٹیاں اسٹیبلیش کر دی گئی ہیں۔ کہیں ''منی جرگے'' لائیو دکھائے جا رہے ہیں۔ FM ریڈیو تو اس سے بھی دو قدم آگے ہے۔ جدید تہذیبی اور ثقافتی ترقی کے ساتھ ساتھ نئے الفاظ کی آمد مستحسن ہے مگر ایسی بے جوڑ ترکیبیں، غیر ضروری لفظیات اور مضحکہ خیز نحوی ساختیں لسانی غارت یا تخمین وظن کی ضرورت نہیں بلکہ لسانی بصیرتوں سے اشارے بالکل واضح ہیں۔ آج اُردو کو عالم گیریت سے اس قدر خطرہ نہیں جتنا اہل زبان کی بے بضاعتی سے ہے۔ لسانی ماہرین کا کہنا ہے کہ انگریزی اکیسویں صدی کی زبان نہیں رہے گی۔ اس لنگوافرینکا کی حیثیت محض صارفیت کی ساختہ اور وسیلہ روزگار کی پرداختہ ہے اور جیسے ہی صارفین کی قوت صرف اور اس کی قوت تسکین میں توازن آیا یہ عفریت اپنی موت آپ مر جائے گا تاہم ہمیں اس ساختہ استحصالی نظام کے اضمحلالی روپ کا انتظار کرنے کے بجائے اس کے مثبت پہلوؤں کو کام میں لا کر استحکام فرد وملت کی سبیل کرنی چاہیے۔ ہمیں ایک عالمی گاہک تصور کیا جا رہا ہے تاہم ایسے میں ذرا سی بصیرت سے کام لیں تو عالمی شہریت کے افادی دریچے ہماری دیرینہ قنوطی حسیات کو ختم کر کے حیاتِ نو کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

اکیسویں صدی اُردو کے لیے روشن امکانات کی صدی ہے۔ اس صدی کی شروعات انجمن فروغ زبان اُردو، انجمن کے متعارفہ اُردو اطلاعیات کے معیاروں کی تشکیل، نوری نستعلیق کی تیاری اور نادرا ایسے ادارے کی تشکیل سے ہوئی ہے یقیناً ان عوامل کے ثمرات نہایت حوصلہ افزا ہوں گے۔ تاہم اس ضمن کی چند اہم مقتضیات یہ ہیں کہ:

۱۔ ہمیں عالم گیریت کے لسانی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے صوتوں اور مصوتوں کی بنا پر نئے حروف تہجی بھی متعارف کروانے چاہئیں۔

۲۔　نئے الفاظ کے ادغام کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل مدافعتی یا مزاحمتی کے بجائے مفاہمتی ہونا چاہیے اور نو وارد الفاظ کے ہجے، املا اور طوالت جیسے اُمور تکنیکی منصوبہ بندی سے سرانجام دینے چاہیں۔

۳۔　ہر مضمون کے متعلقہ ماہرین اُردو اصطلاحات سازی کی ساخت پر داخت کریں اور ان کی ترویج و اشاعت حکوم سرپرستی میں جاری رکھیں۔

۴۔　مختلف زبانوں کے باہمی تعامل سے لسانی اَخذ و انجذاب کا عمل ایک فطری اَمر ہے۔ خاص طور پر کمزور لسانی ساخت کی حامِل زبان پر طاقت ور زبانوں کی لسانی یلغار کو نہیں روکا جا سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی فارسی نے بھی اردو پر ایسی ہی یلغار کی تھی۔ نتیجتاً امیر خسرو اور رجب علی بیگ سرور کا فارسی آمیز اسلوب سامنے آیا۔ آج اگرچہ اردو کمزور زبان نہیں ہے تاہم اَب بھی دیگر زبانوں کے ساتھ اِس کے باہمی لسانی تعامل اور اَخذ و انجذاب کے عمل پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا تاہم اتنی احتیاط ضروری ہے کہ زبان کے مجموعی مزاج پر کوئی حرف نہ آئے۔

اس اَمر کو مدّ نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ لسانی نشو و نما اور ارتقا کا تعلق علمی ترویج و ترقی کے ساتھ منسلک ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عہد کے نئے علمی موضوعات ہی نئی لسانی تشکیلات کا تقاضا کرتے ہیں تاکہ زبان کے اظہار و ابلاغ کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر شعبہ حیات میں علمی ترقی لسانی نمو پذیری کا باعث بنتی ہے۔ علمی لحاظ سے طاقت ور قوموں کی زبان کے طاقت ور ہونے کا راز بھی اِسی اَمر میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ قوم اپنی علمی معرکہ آرائیوں کو اپنی زبان میں پیش کرنے کا عزم کر لیتی ہے تو زبان کے دامن میں خود بخود وسعت اور کشادگی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ضرورت اس اَمر کی ہے کہ بدیسی زبان کے انتداب سے خود کو آزاد کرتے ہوئے اپنی زبان پر تفاخر کی روایت کو مستحکم کیا جائے اور اُردو کے شان دار اور تابناک مستقبل کو یقینی بنایا جائے۔

حواشی:

۱۔　معین الرحمٰن، سیّد، (مرتب)،''فرموداتِ عبدالحق''، لاہور: نذر سنز، ۱۹۷۸ء، ص:۴۲

۲۔　کالی داس گپتا رضا (مرتب)،''دیوان غالب کامل''، کراچی: انجمن ترقی اُردو، طبع سوم، ۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۷ء، ص:۲۷۷

☆☆☆